ابوریاض ہاشمی

قازقستان: استبدادی نظام کا احیاء یا عدم استحکام سے بچاؤ کی تدبیریں؟

۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے زوال کے بعد آزاد قازقستان کا صدر منتخب ہونے کے بعد سے ہی قازقستان کے صدر نور سلطان نذر بائیف کو دو اہم مسائل کا سامنا رہا ہے۔ ایک طرف تو اُنہیں سوویت عہد کے مرکزیت پسند نظام کے نتیجے میں اقتصادی، دفاعی اور فوجی شعبوں میں قازقستان کے روس پر مکمل انحصار کے تناظر میں ماسکو کے ساتھ خوش گوار دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھنے کا چیلنج درپیش رہا ہے۔ اور دوسری طرف اُنہیں ملک کے وسیع معدنی ذخائر کو ترقی دینے کے لیے بیرونی اور خاص کر مغربی سرمایہ کاری کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کے ذریعے ملک کی اقتصادی خوشحالی کے خواب کو حقیقت کا رنگ دینے کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔

قازقستان میں آباد ۳۸ فیصد روسی آبادی اور روس کی طرف سے آزاد ممالک کی دولت مشترکہ کے ممبر ممالک میں آباد روسی شہریوں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے ماسکو کے خصوصی کردار پر اصرار بھی صدر نذر بائیف کے لیے ایک پیچیدہ اور حسّاس مسئلہ بنا رہا ہے۔ صدر نذر بائیف ایک طرف تو قازق قوم پرستوں کے جذبات کی تسکین کے لیے انہیں آگے لانے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے رہے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اُنہیں اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہے کہ روسی آبادی کو ناراض کرنا ان کے لیے اپنے اقتدار کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں جب اُنہوں نے روس نژاد وزیر اعظم تریشنکو کی حکومت کو برخواست کیا، تو ان کی جگہ ایک ایسی جواں سال قازق شخصیت آکی جان حاجی گل دین کو ملک کا وزیر اعظم نامزد کیا جو روس نوازی کی شہرت رکھتے ہیں۔ نئے وزیر اعظم کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اگرچہ نسلاً قازق ہیں لیکن اپنی مادری زبان (قازق) کی نسبت روسی زیادہ روانی سے بولتے ہیں۔ حاجی گل نے اپنی نامزدگی کے بعد ایک پریس کانفرنس میں پالیسی بیان دیتے ہوئے کہا کہ روسی النسل آبادی کے لیے شہریت کے قوانین کو آسان بنایا جائے گا اور روس کے ساتھ ایسے معاہدات کیے جائیں گے جن کی بدولت روس اور قازقستان کے درمیان ہزاروں میل طویل سرحدات کے

دونوں طرف آباد (روسی) شہریوں کے لیے پابندیوں کے بغیر آزادانہ آمد و رفت ممکن ہو سکے۔

رقبہ کے لحاظ سے سابق سوویت یونین کی تمام ریاستوں میں روسی فیڈریشن کے بعد قازقستان دوسری سب سے بڑی ریاست ہے۔ ۱۹۹۱ء میں اس کی آبادی ایک کروڑ سرسٹھ لاکھ (۱۶۷ملین) تھی۔ جو سابق سوویت یونین کی مجموعی آبادی کا صرف ۶ فیصد تھی۔ اس کا رقبہ ۲٫۷۱۷٫۳۰۰ (ستائیس لاکھ سترہ ہزار تین سو) مربع کلومیٹر ہے۔ اور یوں ایک مربع کلومیٹر میں بسنے والی آبادی کا اوسط ۶٫۱ اشخاص ہیں۔ اگر فرانس سے موازنہ کیا جائے تو قازقستان کا رقبہ فرانس کے رقبے سے پانچ گنا زیادہ ہے جب کہ اس کی آبادی فرانس کی آبادی کا ایک تہائی بنتی ہے۔

قازقستان کی سرزمین کئی قسم کی تضادات کا مجموعہ ہے۔ اگر ایک طرف سرسبز و شاداب وادیاں ہیں، تو دوسری طرف وسیع و عریض چٹیل اور ناقابل کاشت میدان ہیں۔ بلند و بالا پہاڑی سلسلوں کے ساتھ ساتھ یہاں ایسے بھی علاقے ہیں، جو سطح سمندر سے ۱۳۲ میٹر پست ہیں۔ یہاں کا موسم بین البراعظمی ہے۔ حتیٰ کہ کبھی کبھار ملک میں گرم ترین اور سرد ترین دنوں کے درمیان ٹمپریچر کا فرق ۱۶۲ ڈگری فارن ہائیٹ تک جا پہنچتا ہے۔ ملک میں قازق اور روسی قومیتوں کے علاوہ ایک سو کے قریب دیگر قومیتیوں کے افراد بستے ہیں۔ سابق سوویت یونین کے کل قابل کاشت اراضی کا ۲۰ فیصد حصّہ قازقستان میں ہے۔ ملک کے مشہور دریاؤں میں سیر دریا، ارتیش (Irtysh) دریا اور درئے الی (Ili) شامل ہیں۔ جو آبپاشی اور پن بجلی کی پیداوار کا بہترین ذریعہ ہیں۔

ملک کے معدنی ذخائر میں کوئلہ، خام لوہا، تانبا، جست، کرومیم اور (Wolfram) شامل ہیں۔ ملک میں موجود کرومیم کے وسیع ذخائر کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ سابق سوویت یونین کی تمام ریاستوں میں موجود کرومیم کا ۹۰ فیصد صرف قازقستان میں پایا جاتا ہے۔ (جبکہ اس کی آبادی CIS اور بالٹک ریاستوں کی مجموعی آبادی کا صرف چھ فیصد ہے)۔ تانبا، جست، سکہ اور Wolfram کے قازق ذخائر سابق سوویت یونین کے مجموعی ذخائر کا تقریباً ۵۰ فیصد بنتے ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں قازقستان کی سونے اور کوئلہ کی پیداوار سابق سوویت یونین میں (ان دھاتوں) کی مجموعی پیداوار کا ۱۸ فیصد تھی۔

قازقستان کے تیل کے ذخائر کا اندازہ ۱۲ بلین بیرل لگایا گیا ہے۔ تیل کی موجودہ یومیہ پیدوار ۴ لاکھ ستر ہزار بیرل ہے۔ تیل کے کنوئں اور تیل صاف کرنے والے کارخانوں کے محل وقوع کے حوالے سے عجیب صورت حال یہ ہے، کہ تیل کی پیدوار ملک کے مغربی علاقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ جبکہ تیل صاف کرنے والے کارخانے ملک کے مشرقی علاقوں میں واقع ہیں، جہاں آبادی کی کثافت بھی مغربی علاقوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ تیل کی پیداوار کا اکثر حصّہ مغربی روس کو برآمد کیا جاتا ہے، جبکہ ملک کے مشرقی علاقوں میں موجود تیل صاف کرنے والے کارخانوں کے لیے خام تیل

سائبیریا کے مرکزی علاقوں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ تیل کی یومیہ پیداوار بڑھانے کے لیے بین الاقوامی تیل کمپنیاں پہلے ہی ملک میں پہنچ چکی ہیں۔

کیسپین پائپ لائن کنسورشیم کے نام سے روس، قازقستان اور عُمان کی حکومتوں کے درمیان ایک پروجیکٹ پر کام جاری ہے۔ جس کی رُو سے ۱۵۰۰ کلومیٹر طویل پائپ لائن تعمیر کی جائے گی، جو روس کے استرخان ریجن، جمہوریہ کلمیکیا، کراسنوڈار اور سٹافروپول کے علاقوں سے گزر کر بحیرہ اسود کی بندرگاہوں تک جنوبی قازقستان کے آئل فیلڈز سے نکالے جانے والے خام تیل کی ترسیل کا ذریعہ بنے گی۔ بہر حال اس پائپ لائن کی تعمیر کا منصوبہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ اور اس کی تکمیل میں کئی برس لگ سکتے ہیں۔

قازقستان کی معیشت کا ہیکل اساسی دولت مشترکہ کے دیگر ممالک اور خاص کر روس کے اقتصادی ڈھانچوں سے مُنسلک ہے۔ روس کو برآمد اس کی کل برآمدات کا ۶۰ فیصد ہے۔ جب کہ اس کی مجموعی درآمدات میں روس سے درآمد کی جانی والی اشیا کا حصّہ تقریباً دو تہائی ہے۔ ملک کے اقتصادی انفرا سٹرکچر کی تشکیل اس طرح سے ہوئی ہے، کہ اسے سابق سوویت یونین [موجودہ CIS] کے ممالک کی اقتصادیات سے جدا کرنے میں ایک لمبا عرصہ لگ سکتا ہے۔ یہاں کا اقتصادی ڈھانچہ سوویت عہد کے مرکزیت پسند معیشت [Centralized economy] کا ایک حصّہ ہے۔ سوویت عہد کی معاشی پالیسیوں کا ایک خاصّہ یہ رہا ہے، کہ تمام جمہوریاؤں کی اقتصادیات نہ صرف آپس میں (Inter dependent) تھیں، بلکہ ان کا سب سے بڑا مقصد مرکز (روس) کی معیشت کو استحکام بخشنا تھا۔ مثال کے طور پر قازقستان کے جنوبی اور شمالی علاقوں میں بجلی کی پیداوار اور ترسیل کے دو مختلف نظاموں (Net works) کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے کی بجائے جنوبی قازقستان کے ٹرانسمشن نیٹ ورک کو روسی گرڈ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ جب کہ شمالی علاقہ کے بجلی کی ترسیل کے نظام کو جنوبی جمہوریاؤں کے گرڈ کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سے قازقستان کا ٹرانسپورٹ اور اتصالات کا نظام ملک کے اندر کے علاقوں اور شہروں کو ایک دوسرے سے ملانے کی بجائے ملک کے اقتصادی لحاظ سے اہم علاقوں اور شہروں کو روس سے ملانے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔

قازقستان کی معیشت کے انہی تضادات کے پسِ منظر میں قازق حکومت کو مختلف نوعیّت کے مسائل کا سامنا ہے۔ قازقستان کو جہاں ایک طرف بیرونی دنیا اور خاص کر مغرب کے ساتھ تجارت کو فروغ دینے کے لیے اپنی انڈسٹری اور معدنی ذخائر کو ترقی دینے اور مارکیٹ اکانومی متعارف کروانے کا چیلنج در پیش ہے، وہیں دوسری طرف اس کے لیے [سوویت عہد سے ورثہ میں ملے ہوئے نظام اور انفراسٹرکچر کی بدولت معیشت، سیاست اور دفاع کے تقریباً تمام شعبوں میں روس اور CIS کے دیگر ممالک پر انحصار کی وجہ سے]عبوری دور میں نہ صرف انٹرا یونین [Intra-Union] ٹریڈ بلکہ دفاع

اور سیاسی شعبوں میں بھی بین الرّیاستی تعاون کو جاری رکھنے کے لیے پرانے انتظامات کو بحال رکھنے کی ضرورت مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس اور CIS کے دیگر ممالک کے ساتھ کسٹم یونین اور سرحدات کے خاتمہ کی تجاویز کے سلسلہ میں قازقستان کی موجودہ قیادت غیر معمولی دلچسپی دکھاتی رہی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں اُس نے روس کے ساتھ کئی معاہدات پر دستخط بھی کر دیے ہیں۔

جمہوری عمل اور جمہوری اقدار کے استحکام میں عدم دلچسپی نہ صرف قازق قیادت بلکہ وسطی ایشیا کے نو آزاد ممالک کی تمام قیادتوں کی ایک اہم خصوصیّت ہے۔ قازقستان سمیت وسطی ایشیا کی نو آزاد جمہوریاؤں میں حکمرانی کرنے والے [سابق کمیونسٹ] کمیونسٹ کہلانے سے بدکتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو جمہوری اصلاحات کا علمبردار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن اُن کا موقف یہ ہے کہ سوویت عہد سے ورثہ میں ملے ہوئے نظام کی بندھنوں سے مکمّل آزادی حاصل کرنے سے قبل جمہوریت کی زیادہ مقدار [Over dose] تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ وسطی ایشیا کی ان [Communist-turn-democrat] قیادتوں کی سوویت عہد کی تربیّت کا مظہر ایک اور ذہنی کیفیت ہے، جسے [Selfcentredness] یا انانیّت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان کی اس ذہنی کیفیت کے نتیجے میں وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ سوویت عہد کے کمیونسٹ نظام کی پیچدگیوں اور نُدرتوں [Peculiarities] سے مکمل واقفیت کی بنا پر صرف اُنہی کو یہ صلاحیّت حاصل ہے، کہ وہ فیصلہ کریں کہ آزادی کے بعد بدلتے ہوئے حالات میں سوویت عہد کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور ثقافتی ورثے [legacies] کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ملک میں کتنی اور کس قسم کی جمہوریت متعارف کرائی جائے۔ بنیادی طور پر وسطی ایشیا میں حکمران سابق کمیونسٹوں کی یہی ذہنی کیفیت اُنہیں اس قسم کے اقدامات اٹھانے پر اُکساتی ہے، جنہیں بجا طور پر ڈکٹیٹر شپ (آمریت) اور ڈسپوٹزم [مطلق العنانی اور استبدادیت] کے احیاء کا موجب گردانا جا سکتا ہے۔ اس وقت تک قازقستان کے علاوہ ترکمنستان اور ازبکستان میں حکمران صدور نے اپنی اپنی میعاد ہائے صدارت کے اختتام پر نئے سرے سے صدارتی انتخابات منعقد کروانے کی بجائے سوویت طرز کے ریفرنڈم [استصواب] کے ذریعہ اپنے عرصہ ہائے صدارت کو سن ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۲ء تک بڑھا لیا ہے۔

جمعہ ۵ مئی (۹۵ء) کے صدارتی استصواب میں مبیّنہ طور پر ۹۵ فیصد رائے دہندگان نے قازق صدر کی میعاد صدارت کو سن ۲۰۰۰ء تک بڑھانے کے حق میں فیصلہ دیا۔ حزب مخالف نے نہ صرف ریفرنڈم کے نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، بلکہ اس نے اُس کی قانونی حیثیت کو بھی چیلنج کر دیا ہے۔ ان کے مطابق اس استصواب کی حیثیت سوویت عہد کے "سنگل پارٹی الیکشن" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جس کا مقصد جمہوری اقدار کے فروغ کی بجائے ملک کو ایک بار پھر آمرانہ نظام کی گرفت

میں جکڑنا ہے۔ صدر نذر بائیف نے حزبِ مخالف کی تنقید کو مسترد کرتے ہوئے کہا:

"We will not depart from the path of democratic trasnformation".

["ہم جمہوری تبدیلیوں کی راہ سے نہیں ہٹیں گے"۔]

لیکن ان کے بقول:

"Democracy would take time to develop"

[جمہوریت کی ترقی واستحکام میں وقت لگے گا]

ملک کے معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل ومشکلات کا واحد مسیحا ہونے سے متعلق وسط ایشیائی حکمرانوں کی اُوپر بیان کردہ ذہنی کیفیت کا اظہار قازق صدر کے ان ریمارکس سے ہوتا ہے:

"It is easy to judge from across the occean, far from our region. We are Asian corntries - we have our own mentality".

("ہمارے خطّے سے دور، سمندر پار سے [ہمارے بارے میں] اندازہ لگانا آسان عمل ہے۔ ہم ایشیائی ممالک ہیں۔ ہماری اپنی ذہنی ساخت ہے")

انھوں نے مزید کہا:

"It is [was] impossible in the last three or four years to establish the same kind of democracy you have in Englnd, for example".

[پچھلے تین یا چار سالوں میں یہ ممکن نہیں ہوسکا ہے کہ (قازقستان میں) اس طرح کی جمہوریت کا قیام عمل میں لایا جائے جو، بطور مثال، انگلینڈ میں نافذالعمل ہے"۔]

اس سے قبل مارچ ۱۹۹۴ء میں منعقد کرائے جانے والے پارلیمانی انتخابات کے نتیجے میں وجود میں آنے والی پارلیمنٹ کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا گیا تھا۔ چنانچہ ملک کی دستوری عدالت [Constitutonal court] نے فیصلہ دیا کہ چونکہ انتخابی عمل کے دوران وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کی گئیں [جن میں انتخابی حلقوں کی غلط حد بندی اور ایک ووٹ کئی بار استعمال کرنے جیسی بدعنوانیاں شامل تھیں] لہذا پارلیمنٹ کا انتخاب غیر قانونی ہے۔ صدر نذر بائیف کا اس عدالتی فیصلے کے خلاف ابتدائی ردّعمل یہ تھا کہ وہ اس فیصلے کو ویٹو کرنا چاہتے تھے، لیکن بعد میں اُنھوں نے پارلیمان میں موجود ناپسندیدہ اور سرکش [Unruly] عناصر سے جان چھڑانا بہتر سمجھا۔ اور پارلیمان کو حل کرنے کا اعلان کیا۔ پارلیمان کو حل کرنے کے بعد سے صدر نذر بائیف صدارتی فرامین کے ذریعہ حکومت چلا رہے ہیں۔

نذر بائیف کو نئے پارلیمانی انتخابات منعقد کروانے کی جلدی نہیں ہے۔ پارلیمانی انتخابات منعقد کروانے سے قبل وہ دستور میں ایسی ترامیم کرنا چاہتے ہیں، جن کی بدولت پارلیمنٹ کی حیثیت محض کٹھ پتلی [Rubber stamp] کی ہو کر رہ جائے۔ اِن ترامیم کی منظوری کے لیے اگست ہی میں "عوامی ریفرنڈم" منعقد کروایا جائے گا۔ وہ نئے انتخابی قوانین کے نفاذ کے لیے بھی کوشاں ہیں۔ نئے دستور کی "منظوری" اور نئے انتخابی قوانین کے اجراء کے بعد صدر نذر بائیف سالِ رواں کے آخر میں پارلیمانی انتخابات منعقد کروانا چاہتے ہیں۔

ملک کے مستقبل سے متعلق اہم فیصلوں کے لیے ریفرنڈم کا استعمال، منصبِ صدارت پر بہر صورت قبضہ برقرار رکھنے کے لیے صدارتی انتخابات منعقد کروانے سے گریز اور قانونی سازی کے لیے صدارتی فرامین کا استعمال اگرچہ جمہوری حلقوں کے نزدیک سوویت عہد کے استبدادی طور طریقوں کے احیاء کے مترادف ہے۔ تاہم صدر نذر بائیف اور دیگر نوآزاد وسط ایشیائی حکمرانوں کے مطابق "خطے میں سیاسی استحکام برقرار رکھنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے"۔ مغرب بھی شاید یہ سوچ کر وسطی ایشیا میں استبدادی نظام ہائے حکومت سے چشم پوشی کی روش اپنائے ہوئے ہے کہ جمہوری اقدار کی ترویج کے لیے "بے جا دباؤ" علاقے میں سیاسی عدم استحکام کا باعث بن سکتا ہے۔ جو علاقے میں موجود وسیع معدنی ذخائر اور انہیں ترقی دینے سے متعلق مغرب کی اقتصادی مفادات کے لیے لامحالہ خطرہ ثابت ہوگا۔